الجزائر میں اسلام کا مستقبل

[الجزائر میں ۱۸۳۰ء سے لے کر ۱۹۶۲ء تک آزادی کی راہ میں جس قدر خون بہایا گیا ہے وہ اسلام کے نام پر بہایا گیا ہے۔ مگر آزادی کے بعد اس بدنصیب ملک کو بھی وہی حادثہ پیش آیا ہے جو پاکستان، انڈونیشیا، تونس اور مراکش کو پیش آ چکا ہے۔ حصولِ آزادی کے بعد وہاں جو گروہ برسرِ اقتدار آیا ہے اس کی اکثریت الجزائر میں اسلام کے غلبہ و فروغ کو دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ بلکہ وہ اسے سیکولر اسٹیٹ میں تبدیل کرنے کے درپے ہے۔ الجزائر کے علماء کی جماعت جو وہاں کی با اثر عوامی جماعت ہے اور جس نے تاریک ترین ادوار میں الجزائر کے اندر جہاد کی روح پھونکی ہے اور اسلام کو اور عربی زبان کو زندہ رکھنے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اس عنصر کا مقابلہ کرنے کے لیے بروقت میدان میں اتر آئی ہے۔ اور اس نے حکمرانوں کو صاف طور پر کہہ دیا ہے کہ اگر اس ملک میں اسلام کو نظرانداز کر دیا گیا تو اسے نہ صرف الجزائری قوم کی توہین بلکہ انقلاب کے مقصد سے انحراف سمجھا جائے گا۔ علماء کے اس اعلان نے گویا الجزائر میں اسلامی انقلاب کے لیے اصل جدوجہد کا افتتاح کر دیا ہے۔ اور ہمیں امید ہے کہ الجزائر کا مجاہد مسلمان جو دنیا کی عظیم استعماری طاقت کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ ایسے لوگوں کو من مانی کارروائی کرنے کا زیادہ موقع نہیں دے گا جو اس کے دین و ایمان سے کھیلنے کی حماقت کر رہے ہیں۔

خ ۔ ح]

الجزائری علماء کا مطالبۂ نظامِ اسلامی لندن کا یہودی اخبار: جیوش ابزرور اپنی ۱۷؍ اگست ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں الجزائر کے نامہ نگار کے حوالے سے "اسلامی حکومت قائم ہو کر رہے گی" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:

"الجزائر کے مذہبی رہنماؤں نے مطالبہ کیا ہے کہ "جدید الجزائر میں اسلام اور عربی زبان کو بالاتری حاصل ہونی چاہیے" الجزائری علماء نے اپنے ایک بیان میں ان قوم پرست لیڈروں پر سخت تنقید کی ہے جو الجزائر کو ایک ماڈرن سوشلسٹ اسٹیٹ بنانے اور مذہب کو ریاست کے معاملات سے بے دخل کرنے کے درپے ہیں۔ علماء نے واضح کر دیا ہے کہ اگر الجزائر میں اسلام کو ریاست کی بنیاد اور عربی زبان کو الجزائر کی سرکاری زبان قرار نہ دیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ الجزائری انقلاب نے نہ صرف ان لاکھوں شہداء کے ساتھ غداری کی ہے جو جنگ آزادی میں خون کی ہولی کھیل چکے ہیں بلکہ یہ انقلاب اپنے تاریخی مقصد میں بھی ناکام ہو گیا ہے۔"

معاہدۂ ایویان میں یہ صراحت ہے کہ الجزائر کا جو دستور بنایا جائے اس میں مذہبی آزادی کی ضمانت دی جائے اور فرانسیسی اور عربی زبانوں کو ریاست کی سرکاری زبانیں قرار دیا جائے۔ دستور کا خاکہ مرتب کرنے کا کام جنرل کونسل کے سپرد کیا گیا تھا لیکن جنرل کونسل تدوینِ دستور کے سلسلہ میں متعدد مرتبہ اپنے اجلاس ملتوی کر چکی ہے۔ اور آخر کار یہ طے تھا کہ ۹ ستمبر ۱۹۶۲ء کو اس کا حتمی اجلاس ہوگا لیکن اس تاریخ کو بھی اجلاس منعقد نہ ہو سکا اور فوجی لیڈروں اور سیاسی رہنماؤں کے مابین مسلسل رسہ کشی کی وجہ سے غیر معین عرصہ کے لیے معرضِ التوا میں ڈال دیا گیا۔

لیکن الجزائر کے علماء نے، فرانسیسی تسلط کے خاتمہ کے بعد، اب پہلی مرتبہ اپنے ایک پبلک بیان میں کھل کر اعلان کر دیا ہے کہ "صرف سیاسی آزادی اور اقتصادی ترقی ہی الجزائر کے انقلاب کا مقصد قرار نہیں دیئے جا سکتے"۔ علماء کے بیان کے یہ الفاظ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں: "ہر قوم (نظریات و عقائد کے لحاظ سے) اپنا جداگانہ تشخص رکھتی ہے۔ اگر یہ امتیاز ختم کر دیا جائے تو تمام قومیں سمندر کی مچھلیاں بن کر رہ جائیں، اور الجزائری، فرانسیسی اور ہسپانوی سب ایک قوم قرار پائیں۔ اگر اس نقطۂ نظر کے مطابق ہم نے الجزائر کی تعمیرِ نو کا آغاز کیا تو اس کے دوسرے معنی یہ ہوں گے کہ الجزائر ایک کھلی بین الاقوامی ریاست

میں تبدیل ہو جائے گا۔ لیکن ہم اس نظریے کے مخالف ہیں۔ ہم الجزائری ہیں۔ اور ایک مستقل قومی شخصیت کے حامل ہیں۔ جس کا تانا بانا ہمارے مذہب: اسلام، ہماری زبان: عربی اور ہماری روایات اور ہماری تاریخ سے مرکب ہے۔ جو لوگ اسلام کو امور ریاست سے بے دخل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، علماء کے بیان نے ان کی کوششوں کو "انقلاب کی بنیادوں سے انحراف، امتِ مسلمہ کے اندر رہ کر اسلام پر حملہ، اور پوری الجزائری قوم کی توہین" ۔۔۔ قرار دیا ہے۔

مغرب کی مسیحی صحافت کا جدید رجحان اسلام آج کل مغرب کی مسیحی صحافت کی نگاہ میں غیر معمولی دلچسپی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اسلام کی موجودہ بیداری اور مغرب عربی کی ریاستیں اور علی الخصوص الجزائر کے اسلامی مستقبل پر اس کی خصوصی نظریں جمی ہوئی ہیں۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ کلیسا نے جہادِ الجزائر کو وسیع الاثر اسلامی بیداری کا ایک مظہر قرار دیا ہے۔ خواہ یہ اثر اسلام کے فروغ کے امکانات کے حق میں ہو اور خواہ مسیحی سرگرمیوں کی عدم تک۔ مسیحی صحافت کی یہ دلچسپی اور الجزائری جہاد کے بارے میں کلیسا کی یہ رائے مسلم حلقوں کے لیے انتہائی قابلِ غور ہے۔ اور اس امر پر یقین کرنے کے لیے یہ کافی ہے کہ مغربی سامراج مسلمان ممالک میں صرف اقتصادی اغراض لے کر نہیں داخل ہوا بلکہ تبلیغی مقاصد و نظریات کے تحت آیا ہے۔ چنانچہ ہم فرانس کے مسیحی مشنریوں کو قضیۂ الجزائر کے بارے میں عیسائیوں کے موقف کے متعلق طرح طرح کی معنی خیز پیشگوئیاں کرتے ہوئے دیکھ چکے ہیں۔ ان میں سے زیرک اور دُور اندیش گروہ کی رائے یہ تھی کہ الجزائر کی جنگ کے بعد پیدا ہونے والے ممکنہ نتائج کے پیشِ نظر مسلمانوں کے ساتھ عداوت کے اظہار میں احتیاط برتی جائے کیونکہ یہ نتائج مزید تلخ ہو جائیں گے اگر عیسائیوں نے مذہبی بنیادوں پر مسلمانوں کے خلاف موقف اختیار کیا۔ اب جبکہ الجزائر کی سرزمین سے استعماری نفوذ زائل ہو چکا ہے ہم دیکھ رہے ہیں کہ مغرب الجزائر کی جنگ کو اسلامی جہاد سمجھ کر وہاں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے مقابلے میں ایک طرف فروغِ مسیحیت کے مستقبل پر خاص توجہ صرف کر رہا ہے اور دوسری طرف وہاں اپنے اقتصادی تحفظات کا اہتمام کر رہا ہے۔

اپنے مذکورہ قیاسات کی صحت پر ہم بطور نمونہ چند اخبارات کے اقتباسات نقل کرتے ہیں۔ تاکہ الجزائر کے مسلمان حقیقتِ حال سے باخبر ہوں اور اپنے وجود کے تحفظ کے لیے اپنے دینی وسائل کو بروئے کار لائیں۔ یہ بات ناقابلِ تردید ہے کہ مسلمانوں کے وجود کا تحفظ و بقا اور باعزت طور پر اپنے حقوق کا حصول صرف اسلام کی بدولت ہو سکتا ہے اور ان کا مستقبل صرف اسلام کی پیروی اور اسلامی تعلیمات کے فروغ سے وابستہ ہے۔

مسلمانوں سے بہتر تعلقات استوار کرنے کی اسکیم سوئٹزرلینڈ کا ایک اخبار "جنیوا ٹریبون" ۷ جولائی ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں بزیرِ عنوان "کیتھولک مسلمانوں کو مسجدیں واپس کر دیں" لکھتا ہے:

"الجزائر کی آزادی کے بعد پہلی مرتبہ جمعہ کے روز دارالحکومت الجزائر کے گرجا میں ہنگامہ برپا ہوا۔ سینکڑوں مسلمان گرجا کے ہال میں گھس گئے۔ ایک امام صاحب منبر پر چڑھ گئے اور انہوں نے حاضرین کو اکسایا کہ وہ اس گرجا کی واپسی کا مطالبہ کریں کیونکہ یہ پہلے مسلمانوں کی مسجد تھا۔"

اس مقالے کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"آزاد الجزائر میں کیتھولک چرچ اور اسلام کے مابین اسبابِ نزاع کی کمی نہیں ہے خاص طور پر یہ صورت ان مساجد کے بارے میں نمایاں طور پر سامنے آتی ہے جو مسلمانوں سے چھین کر گرجوں میں تبدیل کی گئی ہیں جس کی ایک مثال قسطنطنیہ کا گرجا ہے۔ فرانس کے کثیرالاشاعت کیتھولک میگزین "انٹرنیشنل کیتھولک انفرمیشنز" کے ایک کالم نویس نے حال ہی میں یہ تجویز پیش کی ہے کہ الجزائر کے ان مذہبی مقامات کی، جو عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان مابہ النزاع ہیں، دینی حیثیت ختم کر کے انہیں میوزیم میں تبدیل کر دیا جائے لیکن اس تجویز کو کوئی شخص مذہبی رواداری پر محمول نہیں کر سکتا۔ بہتر یہ ہے کہ ناحق طور پر جو عمارتیں مسلمانوں سے چھینی گئی ہیں انہیں واگزار کر دیا جائے۔ علاوہ ازیں یہاں ایک اور مسئلہ بھی ہے۔ وہ یہ ہے کہ آجکل یہ افواہ عام گشت کر رہی ہے کہ آزاد الجزائر ویٹیکن کے ساتھ معاہدہ کرنے والا ہے۔ یہ بات بظاہر قابلِ امکان ہے۔ لیکن اس سے الجزائر کے راہبوں

اور بیلجین کی مذہبی کونسل کے ارکان کی شہریت کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوگا۔ اور اس امر کا کوئی یقین نہیں ہے کہ یہ تمام افراد الجزائری شہریت کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوں گے۔"

صلیبی جنگ کے خاتمہ کا معنی خیز اعلان پیرس کے مشہور اخبار "ٹریبون آف نیشنز" (TRIBUNE dES NATIONS) نے حال ہی میں ایک طویل مقالہ سپردِ قلم کیا ہے جس کا عنوان ہے: "کیا صلیبی جنگیں ختم ہو گئی ہیں؟" - اس مقالے میں وہ لکھتا ہے: "آٹھ صدیاں گزرنے کے بعد لازم ہو گیا تھا کہ بحرابیض بھی دائرہ امن میں داخل ہو۔ چنانچہ اب اسلام اور یورپ کی ملی بھگت بحرابیض میں امن کے قیام پر مہر تصدیق ثبت کرے گی"

مسلمانوں سے اتحاد کے نئے رشتوں کی تلاش یہ اخبار بحرابیض کی مسلمان قوموں کی مرکزی حیثیت کا ذکر کرنے، مسلمانوں کی سیاسی اور جغرافی وحدت پر دادِ تحسین دینے اور عالمی ثقافت میں مسلمانوں کے اہم کردار کا اعتراف کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ قضیہ الجزائر کے حل کو پورے مشرق عربی میں بڑی مسرتوں اور شادمانیوں کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا ہے۔ اخبار نے اس سلسلہ میں اُن بیانات کا ذکر بھی کیا ہے جو مشرق عربی کے بعض نمایاں رہنماؤں کی طرف سے فرانس کے موقف پر اظہار پسندیدگی کے بارے میں دیئے گئے ہیں۔ آگے چل کر یہ اخبار لکھتا ہے کہ یہاں کچھ اور وجوہ بھی ہیں، جو سیاسی خیرسگالی سے زیادہ اہم اور عمیق ہیں اور مشرق کے عربی ممالک کو مجبور کرتے ہیں کہ وہ فرانس کی طرف اہتمام کے ساتھ متوجہ ہوں من جملہ اُن اسباب کے یہ بھی ہیں:

"مشرق کے عربی ممالک نے اپنے مقاصد و نظریات سے مطابقت رکھنے والی داخلی اور خارجی سیاست کی مسلسل تلاش کی ہے۔ اس کوشش و جستجو میں ان ممالک کو مشرقی بلاک اور امریکی بلاک دونوں کے بارے میں مفید تجربات حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ممالک ابھی تک اپنے مسائل کے موزوں حل کا سراغ نہیں پا سکے۔ سرمایہ دارانہ حل ہو یا مارکسی حل دونوں ان کی ضرورت کو پورا نہیں کر سکتے کیونکہ یہ دونوں حل اگرچہ بظاہر متضاد ہیں لیکن اس نقطے پر یہ دونوں آ کر مل جاتے ہیں کہ یہ شہری آبادیوں اور عام مزدوروں کے مسائل کو پیش نظر رکھ کر وضع کیے گئے ہیں جب کہ دنیائے عرب کاشتکاروں اور دیہی آبادیوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے

دونوں بلاکوں کا کوئی حل بھی دنیائے عرب کے مناسب حال نہیں ہے۔ فرانس کو بھی اپنی داخلی اور خارجی زندگی میں امریکی بلاک اور مارکسی بلاک کے درمیان استقرار نصیب نہیں ہے۔ کیونکہ فرانس بھی زرعی ملک ہے اور دنیائے عرب کی طرح اُسے بھی مناسبِ حال حل کی تلاش ہے۔ معاہدۂ ایویان فرانس کو اس تیسرے بلاک (یعنی زرعی بلاک) میں داخل کر دے گا۔ کیونکہ آج کے بعد فرانسیسی باشندے اور مزدور ہی الجزائر کے حقیقی سوشل انقلاب کی مالی پشت پناہی کریں گے۔ اس سے خود فرانس کے موجودہ قوانین بھی لامحالہ متاثر ہوں گے گویا الجزائر کے آئندہ حالات فرانس کے مستقبل کی تعمیر میں نمایاں حصہ لیں گے۔ اور چونکہ الجزائر وسیع تر علیٰ عربی جسم (یعنی عرب ممالک) کا ایک عضو ہے لہٰذا ناگزیر طور پر فرانس کا تعلق بحر ابیض کے قریبی عرب ممالک کے ساتھ بھی استوار ہو جائے گا۔ اور ان ممالک کو فرانس کے تجربات سے استفادہ کرنے کا موقع ملے گا جو انہیں ایک ایسے دستوری نظام کو اختیار کرنے پر تیار کریں گے جو تمام قدیم اور آزمودہ حلوں سے بڑھ کر ہو گا . . . . اور طبعی طور پر فرانس اور اسرائیل کے مستحکم تعلقات بھی قریب قریب ختم ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان تعلقات کا مستقبل روشن نہیں ہے۔ اسرائیل موجودہ پوزیشن میں مشرق اوسط کا ایک معطل عضو ہے۔ اور تاریخ کا قاضی ایسے عضو کو مسترد کر دینے کا فیصلہ دیتا ہے۔ تل ابیب کی یہ سخت غلطی ہے کہ وہ اپنی ناکامی کی ذمہ داری رہنما کونسل کی کسی شخصیت پر ڈالتا ہے

خونریز صلیبی جنگ کے بعد پُرامن جنگ کا آغاز | مقالہ نگار اپنا مقالہ ان الفاظ پر ختم کرتا ہے :

"صلیبی جنگوں کا خاتمہ اب ایک تھکے ہوئے لشکر کو ستانے پر مجبور کرے گا۔ اور ان دانشوروں سے گوشۂ عافیت میں پناہ لینے کا مطالبہ کرے گا جو پرانی ڈگر پر اخلاقیات کا درس دیتے رہے ہیں۔ اور جن کی اکثریت اسلام کو ایک خیالی مذہب سمجھتی رہی ہے۔ لیکن جو لوگ ناگہانی حالات کا سامنا کرنے کی استطاعت رکھتے ہیں اور مسائل کا جائزہ گزشتہ صدی کی عینک سے لینے کے بجائے بیسویں صدی کی روشنی میں لینے کی اہمیت

رکھتے ہیں وہ آنے والی نسلوں کو ایسے مفید تجربات سے نوازیں گے جو انہیں قوموں سے مل کر رہنے کا درس دیں۔

ہمیں چھٹی صلیبی جنگ کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہیے جو تیرھویں صدی میں ایک نادر شخصیت فریڈرک دوم نے لڑی تھی۔ فریڈرک دوم جرمنی کا شاہنشاہ اور صقلیہ کے حکمران خاندان کا آخری وارث تھا۔ یہ شخص اسلام کا بہت بڑا عالم تھا اور اپنے دربار میں بھی فلاسفر کو اور علمائے اسلام کو جمع رکھتا تھا۔ اس نے پوپ کے اصرار پر ارضِ مقدس میں پُرامن صلیبی جنگ کا آغاز کیا جس میں خونریزی کے بجائے باہمی گفتگو اور تبادلۂ خیالات کو ترجیح دی۔ چنانچہ ۱۱ فروری ۱۲۲۹ء کو یافا میں انکی کوششوں سے جو معاہدہ ہوا اور اس میں اُسے جو حیرت ناک کامیابی حاصل ہوئی وہ اُس کے پیشروؤں میں سے کسی بڑے سے بڑے بطل کو تلوار استعمال کرنے کے باوجود بھی حاصل نہ ہو سکی۔ فریڈرک دوم کا یہ کمال نہیں تو اور کیا تھا کہ اُس نے سلطان کو اس بات پر رضامند کر لیا کہ سلطان تینوں مقدس شہر (بیت المقدس بیت لحم اور ناصرہ) دوستانہ طور پر مسیحی دنیا کو واپس کر دے۔ چنانچہ یہ معاہدہ مسلمان حلقوں کے شدید غم و غصّہ کے باوجود نافذ ہوا۔ معاہدہ یافا فرنگ اور مسلم تعلقات کی تاریخ میں ایک بہت بڑا تاریخی واقعہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ جس طرح وہ خون اپنی قیمت رکھتا ہے جو بر وقت بہایا گیا ہو اسی طرح امن کے اندر بھی اتنی قوت ہے کہ وہ انسانیت کو اپنے حیران کن ثمر سے شاد کام کرے۔"

(ماخوذ از المسلمون۔ جنیوا)